ڈاکٹر محمد شہباز منج*
* شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا۔drshahbazuos@hotmail.com

سرسید احمد خان کی تفسیری تجدد پسندی۔ایک مطالعہ(۳)

قصص قرآنی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے بعض مقامات پر انتہائی عجیب وغریب اور دور از کار تاویلات سے کام لیا ہے۔ اس سلسلہ میں سرسید، بقول پروفیسر عزیز احمد، عہد نامہ قدیم و جدید اور قرآن کے عوامی قصص کو ناپائیدار تاریخی مفروضات کا نام دے کر اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں مشغول ہو جاتے ہیں۔۶۹ سورہ الکہف کی تفسیر میں اصحابِ کہف، یاجوج و ماجوج، ذوالقرنین اور سدِّ ذوالقرنین سے متعلق ان کی طول طویل بحثوں کا ماحصل یہ ہے کہ ایفسوس کے ''سات سونے والے'' اصحابِ کہف تثلیث کے مخالف عیسائی طبقے سے تعلق رکھتے تھے، جنہیں دقیانوس بادشاہ نے معتوب کیا تھا۔ وہ فی الواقع کئی سال تک سوتے نہیں رہے تھے بلکہ مر چکے تھے، لیکن جیسا کہ بعض مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ جب لاشیں ایسے مقام پر ہوتی ہیں جہاں ہوا کا گذر نہیں ہوتا، اور وہ اسی طرح رکھے رکھے راکھ ہو جاتی ہیں، اور اگر کسی سوراخ کے ذریعے انہیں سورج کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پورے اجسام بلا کسی نقص کے رکھے ہوئے ہیں، ایسے ہی اصحاب، کہف کی لاشیں بھی دیکھنے والوں کو مجسم معلوم ہوتی ہوں گی، حالانکہ درحقیقت وہاں ہڈیوں اور راکھ کے سوا کچھ نہ تھا۔ کیورس متمس کے مصنف نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ایک بڑے پتھر کے بکس میں بند کر کے مارسلیس کو بھیجی گئیں جواب بھی سائنٹ ویکٹر کے گرجا میں دیکھی جا سکتی ہیں۔۷۰ ذوالقرنین چینی شہنشاہ چی وانگ ٹی (۲۴۷ ق م) ہے، سدِّ ذوالقرنین وہ گریٹ وال یا دیوارِ چین ہے، جو چی وانگ ٹی نے ۲۳۵ سے ۲۴۰ قبل مسیح کے درمیان بنائی تھی اور یاجوج و ماجوج سے مراد چینی ترکستان کی قومیں ہیں۔ سکندرِ اعظم اور چی وانگ ٹی سے متعلق مسلم قصہ گوؤں نے جو قصے منسوب کر رکھے ہیں، ان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے دماغ میں دونوں کی گڈمڈ تصویریں تھیں۔ سکندر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جو اس کا باپ مشہور تھا، اس کا وہ بیٹا نہ تھا، اور یہی بات چی وانگ ٹی کے بارے میں کہی گئی ہے۔ اسی طرح آبِ حیات کی تلاش بھی دونوں بادشاہوں سے منسوب کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رازی جیسے مفسرین نے ذوالقرنین سے سکندرِ اعظم مراد لیا، حالانکہ دراصل اس سے مراد چی وانگ ٹی ہے۔۷۱

جہاد

اسلامی جہاد سفلی مقاصد کے لیے لڑی جانے والی عام جنگوں سے یکسر مختلف ہے۔ یہ اعلیٰ انسانی واخلاقی قدروں کے تحفظ و بقا

کے لیے برائی کی قوتوں سے لڑی جانے والی جنگ ہے۔ اپنے اسی اعلیٰ آدرش کے سبب جہاد کو اسلام میں خصوصی اہمیت حاصل ہے، اور اسے اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن بھی شمار کیا گیا ہے۔ لیکن مستشرقین نے اسلامی جہاد کو ایسے خوفناک اور گھناؤنے تصور کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی جس سے اسلام ظلم وتشدد اور جور و جبر کا مذہب نظر آنے لگے۔ جارج سیل نے ترقی واشاعتِ اسلام کو تلوار پر منحصر بتایا۔[۷۲] میینز[۷۳]، ولاسٹن[۷۴]، ٹارانڈرائے[۷۵] اور انسائیکلو پیڈیا امریکانا کے جہاد کا اسلامی تصور پیش کرنے والے مقالہ نگار[۷۶] نے بھی، جارج سیل ہی کا راگ الاپتے ہوئے اسلام کو تلوار کا مذہب اور جہاد کو تلوار کے زور پر اسلام نافذ کرنے کا وسیلہ باور کرانے کی سعی کی ہے۔ سرسید احمد خاں نے مغربی اثرات کے زیر اثر جہاد سے متعلق معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر لیا۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن کے مقالہ نگار کے بقول، سرسید نے روایتی تعبیرات سے انکار کرتے ہوئے جہاد کی ایسی تشریح کرنے کی کوشش کی جو ہندوستان پر قابض انگریزوں کے لیے ناگواریٔ خاطر کا باعث نہ بنے اور تاجِ برطانیہ کو باور کرایا جائے کہ جہاد کا اسلامی تصور اہلِ اسلام کو اپنے انگریز حاکموں کا وفادار رہنے سے نہیں روکتا۔[۷۷] سرسید کے، سورہ البقرہ کی آیت ۱۸۶ کی تفسیر میں سامنے آنے والے خیالات کے مطابق، اسلام بلاشبہ دو صورتوں میں تلوار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے؛ ایک یہ کہ کافر اسلام کو مٹانے کی غرض سے، نہ کہ ملکی اغراض کے سبب، مسلمانوں پر حملہ آور ہوں اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو کسی ملک میں جان و مال کی امان اور مذہبی فرائض کی بجا آوری کی اجازت نہ ہو۔ لیکن یہ اجازت صرف ان مسلمانوں کو ہے جو کسی دوسرے ملک کے باشندے ہوں اور کسی اور ملک کے مظلوم مسلمانوں کو بچانے کے لیے تلوار پکڑیں۔ رہے وہ مسلمان جو کسی ملک میں بطور رعیت کے رہتے ہوں تو ان پر وہاں خواہ ان کے دین کے سبب ظلم ہو، انہیں تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں۔ ان کے پاس صرف دو ہی صورتیں ہیں؛ یا ظلم سہیں یا ہجرت کر جائیں۔[۷۸] سرسید کے ہم عصر فکری متبعین نے ان کی معذرت خواہانہ تعبیر پر اضافہ کرتے ہوئے جہاد پر خوب مشقِ ستم کی۔ مولوی چراغ علی نے، جو بقول شیخ محمد اکرام، مذہبی بحثوں میں سرسید کے دستِ راست تھے[۷۹]، پیغمبرِ اسلامؐ کے مغازی کو تاریخی حوادث سے تعبیر کرتے ہوئے مخصوص حالات کا نتیجہ اور جہاد سے متعلق آیاتِ قرآنی کو خاص حالات سے متعلق قرار دیا جو بعد میں کسی شرعی نظریہ کی بنیاد قرار نہیں پا سکتیں۔[۸۰] اور مرزا غلام احمد قادیانی نے تو آگے بڑھ کر جہاد پر خطِ تنسیخ ہی پھیر ڈالا اور اعلان کر دیا کہ آج سے لڑنا حرام قرار دے دیا گیا ہے، لہٰذا اب جو کوئی دین کا نام لے کر جہاد کرتا اور کافروں کو قتل کرتا ہے، وہ خدا اور رسول کا نافرمان ہے۔[۸۱]

تعددِ ازواج

تعددِ ازواج ایک مرد کے لیے ایک وقت میں مخصوص شرائط کے ساتھ چار تک شادیاں کرنے کی اجازت پر مبنی قانون ہے جو انسان کے خالق نے اپنی حکمتِ بالغہ سے، انسان کی تمدنی ضروریات کے پیشِ نظر قائم کیا ہے۔ مستشرقین نے اس قانون کو بھی غلط رنگ میں پیش کر کے مسلمانوں کو اپنے دین سے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کی کوشش کی۔ نامور محقق محمد خلیفہ کے مطابق تعددِ ازواج اسلام کے حوالے سے مستشرقین کے ان بڑے اہداف میں سے ایک ہے جن کے بارے میں مغرب میں خصوصیت کے ساتھ غلط فہمیاں پھیلائی گئیں۔[۸۲] سرسید پر تعددِ ازواج کے ضمن میں بھی مغربی اہلِ قلم کے اثرات نمایاں ہیں۔ 'تفسیر القرآن' میں ان اثرات کی عکاسی سورہ النساء کی آیت ۳ کی تشریح میں ہوتی ہے۔ سرسید

نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن درحقیقت یک زوجگی کا اصول رائج کرنا چاہتا ہے اور وہ تعددِ ازواج کی اجازت صرف اس وقت دیتا ہے جب عقل اور اخلاق وتمدن، بمقتضائے فطرتِ انسانی اور ضروریاتِ تمدنی اس کی اجازت دے، اور خوفِ عدمِ عدل باقی نہ رہے، لیکن یہ ایک ایسی شرط ہے جس کا پورا ہونا مشکل ہے، کیونکہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کو کسی وقت اور حالت میں بھی خوفِ عدمِ عدل نہ ہو۔۸۳ قانونِ تعددِ ازواج سے متعلق سرسید کی مذکورہ تعبیر اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ اس پر جو کڑی شرطیں لگا رہے ہیں، وہ دراصل اسے ناممکن العمل بنا دینے کی خواہش کا شاخسانہ ہیں۔ سرسید کی اس خواہش کی تکمیل ان کے معاصر ہم خیالوں اور عقیدت مندوں میں سے، مولوی چراغ علی اور ممتاز علی نے نہایت واضح اور بے باکانہ انداز میں کی۔ انہوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ قرآن نے تعددِ ازواج کو عدل سے مشروط کیا ہے اور عدل سے مراد محبت ہے اور مرد کے لیے ایک وقت میں ایک سے زیادہ عورتوں سے محبت میں عدل ممکن نہیں۔ لہٰذا قرآن کا مقصود یہ ہے کہ تعددِ ازواج کو نفسیاتی طور پر ناممکن العمل بنا کر بتدریج ختم کر دیا جائے۔ یوں گویا تعددِ ازواج کو قرآن نے عملاً منسوخ کر دیا ہے۔۸۴

نتیجہ بحث

اوپر کی بحث سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ سرسید احمد خاں نے اسلامی عقائد واحکام کی تعبیر وتشریح میں استشراقی و مغربی فکر سے گہرا تاثر لیا اور اپنی رائے اور قیاس کے زور پر اسلام کا ایسا تصور پیش کرنے کی کوشش کی جو جدید تعلیم یافتہ اور عقلیت پرست مغربی گروہ کے لیے قابلِ قبول ہو۔ سرسید سے تمام تر حسنِ ظن رکھ لینے کے باوصف یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنی تاویلات سے ایک فتنے کا دروازہ کھول دیا اور بقول شیخ محمد اکرام، اپنی رائے اور قیاس کے زور پر قرآنی آیات کو نیا مفہوم دے کر ایک ایسی مثال قائم کر دی جس کی بعض لوگوں نے بری طرح پیروی کی اور ہر آیت یا حدیث کی تاویل کر کے حسبِ خواہش معنی مراد لیے جانے لگے۔ یورپ سے کوئی بھی آواز اٹھے، لوگ فوراً یہ کہنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ ہمارے ہاں بھی یہی ہے۔ اس طریقے سے نہ صرف ان لوگوں کی نگاہ میں اسلام کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی جن کے اعتراضات رفع کرنے کے لیے نئے علمِ کلام کی ضرورت بتائی جاتی ہے، بلکہ خود اپنے ہم قوموں میں بھی نیک وبد اور موزوں وغیر موزوں کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور ایمان ویقین سے عاری لوگوں کے ہاتھوں میں مذہب ایک کھلونا بن جاتا ہے۔۸۵ دینی عقائد واحکام کی تعبیر وتشریح کے حوالے سے سرسید کی یہی وہ جسارت ہے، جس نے بعض حلقوں میں ان کے خلاف زبردست بیزاری وبرہمی پیدا کر دی۔ سید جمال الدین افغانی سرسید کے علمِ کلام کو کفر وبدعت اور ان کی جدید تعبیراتِ قرانی کو الفاظِ قرآنی کی تکذیب پر محمول کیا کرتے تھے۔ پروفیسر عزیز احمد کے الفاظ میں:

" Al-Afghani did not agree with the extremist rationalism of at least Sayyid Ahmad Khan's views, and regarded his new Ilmal-klam some of as a heresy so for as it seemed to falsify the words of the Quran."

یہی نہیں بلکہ بلجن کے مطابق تو افغانی سرسید کو انگریزوں کا آلۂ کار قرار دیتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ انگریزوں کو سرسید کی صورت میں، اہلِ اسلام کے اخلاق اور نظم کو تباہ وبرباد کرنے کے لیے ایک مفید ہتھیار دستیاب ہو گیا تھا۔ انگریزوں کی طرف سے سرسید کی تعریف وتوصیف اور علیگڑھ کالج قائم کرنے میں ان کی مدد سے مقصود یہ تھا کہ اہلِ ایمان کو اپنے جال میں

پھنسا کر بے ایمان بنایا جا سکے۔ افغانی کے نزدیک سرسید یورپ کے مادہ پرستوں سے شدید تر مادہ پرست تھے، کیونکہ مغربی مادہ پرست اپنے دین سے انحراف کے باوجود اپنی حب الوطنی پر سمجھوتہ کرنے کو تیار نہ تھے، جبکہ سرسید نے مادرِ وطن میں غیر ملکی جابرانہ حکومت کو سندِ قبولیت عطا کرنے کی کوشش کی۔ ۸۷ افغانی کے ان خیالات کو بلا شبہ ان کے رسالے ''العروۃ الوثقیٰ'' میں سرسید سے متعلق مضامین، جن میں بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی، کسی قدر غلط فہمی اور غلو شامل ہے ۸۸، سے ماخوذ کہا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ کہنا بے جا نہیں کہ سرسید کم از کم دینی نقطہ نظر سے اہل مغرب اور مستشرقین کے آلۂ کار نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کی حق میں زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ انہوں نے یہ کام دین کی حمایت کی خوش فہمی میں نادانستہ کیا۔

حوالہ جات وحواشی

۶۹۔ عزیز احمد، پروفیسر، برِصغیر میں اسلامی جدیدیت، ص ۹۷۔

۷۰۔ سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن، حصہ ہفتم، ص ۷۔۳۷۔

۷۱۔ ایضاً، ص ۷۸۔۱۰۶۔

۷۲۔ Sale, George, The Quran, p.38.

۷۳۔ Menezez, F.J.L, The life and Religion of Muhammad, the Prophet of Arabian Sands, London, 1911, pp.63,165.

۷۴۔ Wollaston, A.N, The Religion of Islam, Lahore, Sh.Muhammad Ashraf, 1905, p.27

۷۵۔ Tor Andrae, Muhammad, the man and his faith, translated from German by Theophil Menzel, London, George Allen $ Unwin, 1965, p.147

۷۶۔ The Encyclopedia Americana, Op.Cit.Vol.16,pp.91-92

۷۷۔ The Encyclopedia of Religion, Op.Cit.Vol.8,pp.90-91.

۷۸۔ سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن مع اصول تفسیر، ص ۳۱۳۔۳۱۵۔

۷۹۔ محمد اکرام شیخ، موج کوثر، ص ۱۶۶۔

۸۰۔ چراغ علی، تحقیق الجہاد، حیدر آباد، س۔ن، ص ۱۔۱۲۔

۸۱۔ قادیانی، غلام احمد، مرزا، اشتہار، ۲۸ مئی ۱۹۰۰ء۔

۸۲۔ Muhammad Khalifa, The Sublime Quran and Orientalism, Op.Cit.p.178.